AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3(2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

استدلال بالحدیث کے متعلق حنفیہ کے بنیادی اصول

THE FUNDAMENTAL PRINCIPLES OF THE HANAFI JURISPRUDENCE REGARDING INFERENCE FROM HADITH

•سید عبداللہ شیرازی

پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف لاہور، لاہور، پاکستان۔

ای میل:abdullahsherazi80@gmail.com

•ڈاکٹر شمس العارفین

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف لاہور، لاہور، پاکستان۔

ای میل:shams.arifeen@ais.uol.edu.pk

Abstract

This paper elucidates the foundational principles (Uṣūl) of the Ḥanafī School of jurisprudence concerning Ḥadīth interpretation, aiming to rectify the common misconception that it prioritizes analogical reasoning (Qiyās) over prophetic traditions. It argues that the Ḥanafī School employs a distinct, coherent, and text-centric methodology for Ḥadīth criticism, which should be evaluated within its own conceptual framework. Key principles examined include the preference for a narrator's jurisprudential insight (Fiqāhah) over mnemonic strength (Ḥifẓ) in cases of conflicting reports. The study highlights that a Ḥadīth with an authentic chain of narration (Isnād) may be deemed inapplicable if it contradicts higher-order textual sources such as the Qurʾān, the well-established Sunnah, or fundamental legal principles like those governing matters of widespread public involvement (ʿUmūm al-Balwá). Crucially, the paper underscores the foundational Ḥanafī maxim that a weak (Ḍaʿīf) or Mursal (discontinuous chain) Ḥadīth is considered a stronger legal source than Qiyās. This principle directly challenges the stereotype of the Ḥanafīs as "people of opinion" (Ahl al-Raʾy). In conclusion, the research demonstrates that the Ḥanafī legal system is internally consistent. Apparent deviations from a given Ḥadīth are not arbitrary but result from a sophisticated hermeneutical framework. A fair scholarly assessment of Ḥanafī jurisprudence is, therefore, contingent upon an appreciation of its unique Uṣūl.

Keywords: *Ḥanafī Jurisprudence; Uṣūl al-Ḥadīth (Principles of Ḥadīth Criticism); Istidlāl (Legal Inference); Tarjīḥ (Preference in Conflicting Proofs); Fiqāhah (Jurisprudential Insight); Qiyās (Analogical Reasoning); ʿUmūm al-Balwá (Widespread Affliction); Mursal Ḥadīth*

تمام فقہاء و محدثین کی طرح حنفیہ کے ہاں بھی طے شدہ اصولِ حدیث ہیں جن کی روشنی میں وہ احادیث پر کلام کرتے ہیں۔ احادیث پر استدلالی بحث کے ضمن میں حنفیہ کے ان اصول کو زیر نظر رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ ان کے بغیر حدیث کے متعلق حنفیہ کا مکمل موقف سامنے نہیں آسکتا۔

ان میں سے بنیادی اصولِ کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1۔ متعارض احادیث میں ترجیح کی بنیاد

جب شرعی دلائل میں بظاہر اختلاف نظر آتا ہے تو فقہائے کرام اپنے اپنے اصولوں کی بنیاد پر ان میں ترجیح قائم کرتے ہیں۔ یہ اصول ہر فقیہ کے ہاں مختلف ہو سکتے ہیں، جس کی

وجہ سے ایک ہی مسئلے میں مختلف نتائج سامنے آتے ہیں۔ مثال کے طور پر، بعض فقہاء اور محدثین کسی حدیث کو قبول کرنے کے لیے راوی کے حافظے اور سند کی مضبوطی (حفظ واتقان) کو معیار بناتے ہیں، جبکہ حنفی اصول میں راوی کی فقاہت، یعنی دین میں اس کی گہری سمجھ اور بصیرت کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

چنانچہ ایک موقع پر امام اوزاعیؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے رفع یدین کے متعلق ایک انتہائی مضبوط سند والی حدیث پیش کر کے سوال کیا۔ امام صاحبؒ نے جواب میں ترکِ رفع یدین کی حدیث بیان کی تو امام اوزاعیؒ نے سند کی کمزوری پر تعجب کا اظہار کیا۔ اس پر امام ابو حنیفہؒ نے واضح کیا کہ ان کی روایت کے راوی اگرچہ حفظ میں کم تھے لیکن فقاہت میں برتر تھے، جو حنفی اصول میں ترجیح کی بنیاد ہے۔[1] معلوم ہوا کہ علوم حدیث واصول کے طالب علم کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ کسی مسئلہ میں فقہاء کے درمیان ترجیح کے اصول کیا ہیں۔ کیونکہ اگر ان کا علم نہیں ہوگا تو فقہاء کے خلاف بدگمانیاں پیدا ہو جائیں گی۔

حنفیہ کے نزدیک ترجیح کی بنیادی شرائط

حنفیہ کے نزدیک ترجیح کی دو بنیادی شرطیں ہیں: پہلی یہ کہ دونوں دلیلیں قوت میں برابر ہوں۔ اگر وہ قوت میں برابر نہ ہوں تو ان کے درمیان ترجیح واقع نہیں ہوگی۔ للذا یہ نہیں کہا جائے گا: قرآن خبر واحد پر راجح ہے، یا خبر واحد قیاس پر راجح ہے؛ کیونکہ یہ دلیلیں ہم پلہ نہیں۔ دوسری شرط یہ کہ ترجیح ایسی چیز سے نہیں ہوتی جو خود مستقل دلیل بننے کی صلاحیت رکھتی ہو، بلکہ ترجیح ایسی صفت سے ہوتی ہے جو دلیل کی ذات میں موجود ہو اور خود مستقل نہ ہو۔ اس قید سے استنباط کرتے ہوئے احناف نے کہا ہے کہ دلیلوں کی کثرت سے ترجیح واقع نہیں ہوتی؛ کیونکہ ہر دلیل اپنی ذات میں مستقل ہے۔[2]

ترجیح کی صورتیں

حنفیہ کے نزدیک ترجیح کی بنیادی صورتیں امام سرخسی کے بیان کے مطابق چار ہیں:

1. قوتِ اثر (اثر / نتیجہ / دلیل کی بنیاد کی قوت): یعنی دلیل یا علت کے اثر اور اس کی تاثیر کی قوت۔
2. قوۃ ثبات علی الحکم المشہود بہ (ثابت شدہ حکم پر مضبوطی): یعنی دلیل سے ثابت شدہ حکم کی قطعیت اور پختگی۔
3. کثرتِ اصول: یعنی دلیل کو تائید فراہم کرنے والے دیگر شرعی اصولوں کی تعداد یا کثرت۔
4. عدمِ حکم عند عدمِ علت (علت نہ ہونے پر حکم کا نہ ہونا): یعنی علت اور حکم کا وجود وعدم میں باہمی ربط، جس سے علت کی صحت اور قوت ظاہر ہو۔[3]

متن کے اعتبار سے ترجیح کی صورتیں

متن کے اعتبار سے ترجیح کی وجوہات بہت سی ہیں، جن میں سے اہم ترین وجوہ درج ذیل ہیں:

ا۔ متن میں ترجیح دلالت کی قوت کی بنا پر ہوگی۔ للذا محکم کو مُفَسَّر پر، مُفَسَّر کو نص پر، اور نص کو ظاہر پر ترجیح دی جائے گی۔ اسی طرح خفی کو مشکل پر ترجیح دی جائے گی۔ عبارت النص کو اشارۃ النص پر ترجیح ہوگی، اور اشارۃ النص کو دلالۃ النص پر اور دلالۃ النص کو اقتضاء النص پر ترجیح ہوگی۔ یہی حال صریح وکنایہ اور حقیقتِ ومجاز کا ہے۔

۲۔ عام کو خاص پر ترجیح ہوگی بشرطیکہ عام پر عمل کرنے میں احتیاط ہو بصورت دیگر دونوں کو جمع کیا جائے گا۔

۳۔ خاص من وجہ کو عام مطلق پر ترجیح دی جائے گی؛ کیونکہ عام مطلق کی تخصیص کا احتمال خاص من وجہ سے زیادہ ہوتا ہے؛ کیونکہ اس میں اس جہت سے تخصیص داخل نہیں ہوتی۔

۴۔ وہ عام جسے خاص نہ کیا گیا ہو اسے عام مخصوص پر ترجیح دی جائے گی؛ کیونکہ احناف کے نزدیک غیر مخصوص عام کی اپنے مدلول پر دلالت قطعی ہوتی ہے، اور عام مخصوص کی اپنے مدلول پر دلالت ظنی ہوتی ہے۔

۵۔ مؤکد حکم کو غیر موکد پر ترجیح دی جائے گی؛ کیونکہ غیر مؤکد میں تاویل کا احتمال ہوتا ہے، جبکہ موکد حکم تاویل کا احتمال نہیں رکھتا، یا اس میں تاویل بعید ہوتی ہے۔

۶۔ روایت باللفظ کو روایت بالمعنی پر ترجیح دی جائے گی؛ کیونکہ روایت باللفظ میں غلطی اور بھول کا احتمال اس طرح نہیں ہوتا جس طرح روایت بالمعنی میں ہوتا ہے۔

(1) الزيلعي، عثمان بن علي، تبيين الحقائق، القاهرة: المطبعة الأميرية بولاق، ١٣١٤ هـ (1/ 120)
(2) السرخسي، محمد بن أحمد، شمس الأئمة، أصول السرخسي، مصر: مطبعة السعادة، س ن (2/ 249)
(3) السرخسي، محمد بن أحمد، شمس الأئمة، أصول السرخسي (2/ 253)

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3(2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

۷۔وہ واقعہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں پیش آیا اور آپ اس پر خاموش رہے، اسے اس واقعہ پر ترجیح دی جائے گی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے؛ کیونکہ پہلا دوسرے کے مقابلے میں رضامندی پر زیادہ شدت سے دلالت کرتا ہے۔[1]

۸۔کم احتمال والی بات کو زیادہ احتمال والے پر ترجیح دی جائے گی، جیسے دو معانی میں مشترک لفظ کو دو سے زیادہ معانی میں مشترک لفظ پر ترجیح دی جائے گی؛ کیونکہ پہلا اضطراب سے زیادہ دور ہے۔

۹۔وہ نص جو ایسے مجاز میں مستعمل ہو جو حقیقت کے زیادہ قریب ہو، اسے اس نص پر ترجیح دی جائے گی جو ایسے مجاز میں مستعمل ہو جو حقیقت سے زیادہ دور ہو؛ کیونکہ قریب ترین مجاز اکثر فہم میں دور ترین مجاز سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔

۱۰۔مجاز مشہور کو غیر مشہور پر ترجیح دی جائے گی؛ کیونکہ وہ حقیقت کے زیادہ قریب ہے۔

۱۱۔شرط کے سیاق میں نکرہ کو نفی کے سیاق میں نکرہ پر اور غیر نکرہ پر ترجیح دی جائے گی، جیسے جمع معرف (الف لام والا جمع) اور مضاف؛ کیونکہ شرط کے سیاق میں نکرہ کی دلالت تعلیل کا فائدہ دینے میں قوی ہوتی ہے۔

۱۲۔معرف باللام جمع اور موصول کو معرف باللام مفرد پر ترجیح دی جائے گی؛ کیونکہ معرف باللام مفرد کی عموم پر دلالت کثرتِ استعمال کی وجہ سے ضعیف ہو جاتی ہے۔

۱۳۔حکم تکلیفی کو حکم وضعی پر ترجیح دی جائے گی؛ کیونکہ وہ زیادہ اہم ہے اور یہ اس لیے کہ حکم تکلیفی ثواب کا باعث ہے، اور شارع کا مقصود بالذات ہے، بخلاف حکم وضعی کے۔

۱۴۔جو بات کی سچائی کے لیے اقتضاء النص سے ثابت ہو اسے مشروعیت کے لیے اقتضاء سے ثابت ہونے والی چیز پر ترجیح دی جائے گی؛ کیونکہ سچائی زیادہ اہم ہے۔

۱۵۔نہی کو امر پر احتیاطاً ترجیح دی جائے گی؛ کیونکہ مفسدہ کو دور کرنا منفعت کے حصول سے مقدم ہے۔[2]

۱۶۔تحریم کو وجوب، ندب، اباحت اور کراہت پر احتیاطاً ترجیح دی جائے گی؛ اس وجہ بھی وہی ہے جو نہی کی ہے۔

۱۷۔حد کو ساقط کرنے والی خبر کو حد کو واجب کرنے والی خبر پر ترجیح دی جائے گی۔ حدیث نبوی ہے: «ادرؤوا الحدود» "حدود کو (شبہات کی بنا پر) ساقط کرو۔"[3]

۱۸۔وہ حکم جس کی علت یا سبب بیان کیا گیا ہو اسے اس حکم پر ترجیح دی جائے گی جس میں ایسا نہ ہو؛ کیونکہ علت کا ذکر اس پر اہتمام کی دلیل ہے۔

19۔حدیث موافق للقیاس غیر موافق للقیاس پر ترجیح دی جائے گی جو احناف کے نزدیک اصح رائے کے مطابق قیاس کے موافق نہ ہو۔

20۔وہ حدیث جو شریعت کے اصولوں میں سے کسی اصل کے موافق ہو اسے اس حدیث پر ترجیح دی جائے گی جو اس کے اصولوں میں سے کسی اصل کے موافق نہ ہو۔[4]

21۔خبر واحد جو ایسے معاملے میں وارد ہو جس میں عموم بلویٰ نہ ہو، اسے اس خبر پر ترجیح دی جائے گی جو ایسے معاملے میں وارد ہو جس میں عموم بلویٰ ہو؛ کیونکہ عموم بلویٰ میں خبر واحد میں نسبتاً خطا کا زیادہ احتمال ہے۔

22۔خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سب یا ان میں سے کسی ایک نے جس پر عمل کیا ہو اسے دوسرے پر ترجیح دی جائے گی جس پر ان میں سے کسی نے عمل نہ کیا ہو؛ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ان کی اقتدا کا حکم دیا ہے۔

23۔مختلف فیہ روایت جس کے ساتھ قاضی کا فیصلہ بھی ہو اس روایت پر راجح ہے جس پر قاضی کا فیصلہ نہ ہو۔[5]

24۔قول کو فعل پر ترجیح دی جائے گی؛ کیونکہ قول عام حکم اور کلی قاعدہ ہوتا ہے، جبکہ فعل خصوص یا عذر کے احتمال کے دائرے میں ایک حکایت ہوتا ہے۔[6]

سند کے اعتبار سے ترجیح کی صورتیں

سند میں ترجیح کی اہم ترین صورتیں ۱۹ ہیں جو درج ذیل ہیں:

(1)ابن أمير الحاج، التقرير والتحبير على كتاب التحرير، المطبعة الأميرية بولاق ١٣٨٩ هـ، ص ٣٤٢
(2) الجصاص، أحمد بن علي الرازي، الفصول في الأصول ,الكويت: وزارة الأوقاف الكويتية، ١٤١٤ هـ (49/2)
(3) البيهقي، أحمد بن الحسين، أبو بكر. السنن الكبرى، دار الكتب العلمية بيروت، ١٤٢٤ هـ، كتاب الحدود، ١٢: 470
(4)الجصاص، شرح مختصر الطحاوي، دار البشائر الإسلامية، 1431 هـ ٢: 437
(5)الجصاص، أحمد بن علي الرازي، الفصول في الأصول (232/1)
(6)التركمانى، عبد المجيد، المدخل إلى أصول الحديث على منهج الحنفية، دار الرياحين، 2020م، ص299

۱۔ایک راوی دوسرے سے زیادہ فقیہ ہو۔

۲۔علوِ اسناد اور کم وسائط والی روایت کو دوسری روایت پر ترجیح دی جائے گی۔

۳۔زیادہ متقی راوی کی روایت کو کم درجہ راوی کی روایت پر مقدم رکھا جائے گا۔

۴۔ایک راوی دوسرے سے زیادہ ضبط کی صفت کا حامل ہو تو اس کی خبر کو دوسرے پر مقدم کیا جائے گا۔

۵۔حفظ اور سماع سے روایت کرنے والے راوی پر نسخے اور کتاب سے دیکھ کر روایت کرنے والے کو ترجیح ہو گی۔(1)

۶۔جو شخص اپنی تحریر پر اعتماد کرتے ہوئے یاد دہانی کے ساتھ روایت کرے اس کی روایت کو اس شخص پر ترجیح دی جائے گی جو صرف اپنی تحریر پر بغیر یاد دہانی کے اعتماد کرے۔یہ ترجیح صاحبین کی رائے کے مطابق ہے۔

۷۔راویوں میں سے ایک واقعہ کا شاہد ہو، تو اس کی خبر کو اس پر ترجیح دی جائے گی جس نے مشاہدہ نہ کیا ہو۔

۸۔ایک راوی نے بلوغ اور اسلام کے بعد روایت سنی ہو، تو جو اس نے بالغ مسلمان ہو کر سنی وہ اس سے راجح ہے جو اس نے بچپن یا کفر کی حالت میں سنی۔

۹۔راویوں میں سے ایک سماع کے وقت نبی کریم ﷺ کے زیادہ قریب ہو بہ نسبت دوسرے کے، تو قریب ترین راوی کی خبر کو دور ترین راوی کی خبر پر ترجیح دی جائے گی۔ یہاں فاصلے سے فاصلہ مراد ہے جس سے غلطی کا احتمال پیدا ہو۔

۱۰۔متقدم الاسلام راوی کو متاخر الاسلام راوی کی خبر پر ترجیح دی جائے گی۔

۱۱۔دو خبروں میں سے ایک کے رفع پر اتفاق ہو، اور دوسری میں اختلاف ہو، تو مقطوع الرفع کو اس پر ترجیح دی جائے گی جس کے رفع میں اختلاف ہو۔

۱۲۔گھروں کے کاموں اور ان احکام میں جن میں اکثر عورتوں کو معرفت ہوتی ہے، عورت کی خبر کو ترجیح ہو گی۔

۱۳۔راوی نے اپنے سماع کی صراحت کی ہو جیسے "سمعتُ اور "حدثنا" تو اسے اس روایت پر ترجیح ہو گی جس میں سماع اور غیر سماع دونوں کا احتمال ہو، جیسے " قال "(اس نے کہا)، اور "عن "(فلاں سے)۔

14۔اس روایت کو ترجیح دی جائے گی جس کے بارے میں معلوم ہو کہ اس کے راوی نے اپنی روایت پر عمل کیا ہے، بہ نسبت اس روایت کے جس پر راوی نے عمل نہیں کیا یا جس کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ عمل کیا یا نہیں۔

۱۵۔مشہور روایت کو خبر واحد پر ترجیح ہو گی۔(2)

۱۶۔دو مروی روایات میں سے اس کو ترجیح دی جائے گی جس کے راوی کو اس کے شیخ کی طرف سے خاموش انکار کا سامنا نہ کرنا پڑا ہو، بہ نسبت اس راوی کی خبر کے جسے اس کے شیخ کی طرف سے انکار کا سامنا کرنا پڑا ہو۔(3)

مذکورہ بالا سطور میں مذکور ترجیح کی صورتیں صرف ایک نمونہ ہے ورنہ اس کی صورتیں لاتعداد ہیں۔علامہ شوکانی نے ارشاد الفحول میں ترجیح کی پانچ اقسام بیان کی ہیں: باعتبار سند، باعتبار متن، باعتبار مدلول، باعتبار اُمور خارجہ، باعتبار قیاس۔ پھر ان کی ذیلی اقسام کو سو سے زائد تک شمار کیا ہے۔(4) علامہ ابن تیمیہ نے بھی رفع الملام میں ترجیح کی بہت سی صورتیں بیان فرمائی ہیں۔(5) بعض حضرات راویوں کی کثرت کی بنا پر ایک روایت کو دوسری روایت پر ترجیح دینے کے قائل ہیں لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک راویوں کی کثرت سے ترجیح نہیں ہوتی، جب تک کہ روایت حدِ شہرت کو نہ پہنچ جائے۔(6)

2۔ صحیح حدیث کے متعلق حنفیہ کے اصول

حدیث صحیح کی تعریف ماہرینِ اصولِ حدیث کے الفاظ میں درج ذیل ہے:

خبر الْوَاحِدِ الْمُتَّصِلِ السَّنَد بِنَقْل عدل تَامّ الضَّبْط غير مُعَلل بقادح وَلَا شَاذ

(1) الأسمندي، محمد بن عبد الحميد، العلاء، بذل النظر في الأصول، مكتبة التراث القاهرة ، ١٤١٢ هـ، ص. ٤٨٦
(2)السَّرَخْسي، أصول السرخسي ٢: ٢٥١
(3)التركمانى، المدخل إلى أصول الحديث على منهج الحنفية، ص304-309
(4)الشوكاني، محمد بن علي، إرشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول، 1419هـ (2/ 264- ٢٨٣)
(5)ابن تيمية، تقي الدين أحمد الحراني، رفع الملام عن الأئمة الأعلام، الرئاسة العامة، السعودية، ١٤٠٣ هـ (ص46)
(6)الزيلعي، جمال الدين عبد الله بن يوسف. نصب الراية، بيروت: مؤسسة الريان للطباعة والنشر، ١٤١٨ هـ (359/1)

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3(2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

"صحیح وہ خبر واحد ہے جس کی سند متصل ہو، عادل اور مکمل ضبط والے راویوں کی نقل سے، جو نہ معلل بالقادح ہو اور نہ شاذ ہو۔"[(1)]

یہی تعریف علامہ ابن حجر وغیرہ نے بھی فرمائی ہے۔ حنفیہ کے اصول کے مطابق اس کی وضاحت درج ذیل ہے:

شرط(1): اتصال سند

صحیح کی یہ شرط محدثین کے نزدیک تو متفق علیہ ہے، لیکن فقہاء کے نزدیک محلِ بحث ہے۔ کیونکہ اس تعریف کے مطابق مرسل روایت صحیح نہیں ہے جبکہ حنفیہ، مالکیہ اور حنبلیہ کے راجح قول کے مطابق وہ مقبول ہے، بشرطیکہ مرسل ثقہ ہو اور ثقہ سے ہی ارسال کرے۔ اسی طرح تعلیقاتِ بخاری اور بلاغاتِ امام مالک وامام ابو حنیفہ سب کا یہی حکم ہے کہ فقہاء کے نزدیک چونکہ ثقہ سے منقول ہیں اس لیے مقبول ہوں گی۔[(2)]

اسی طرح قاسم بن قطلوبغا امام محمد کی بلاغات کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ سب مسند ہیں۔[(3)]

شرط(2،3): عدالت، ضبط

ان دونوں شرطوں میں فقہاء اور محدثین کا اختلاف منقول نہیں ہے۔

شرط(4): علت سے پاک ہونا

علت کا مفہوم یہ ہے کہ علت نام ہے اس مخفی اور پوشیدہ سبب کا جو حدیث کی صحت میں عیب لگاتا ہے، باوجودیکہ ظاہرِ حدیث اس سے سالم ہو۔[(4)] علت کبھی سند میں ہوتی ہے جس کی معرفت حفاظِ حدیث کا کام ہے۔ اور کبھی متن میں بھی ہوتی ہے جس کی معرفت فقہاء اور اصولیین کا منصب ہے۔[(5)] فقہاء اور محدثین کے اصولِ نقد و نظر مختلف ہیں۔ امام ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ بہت سی علتیں جن کے ساتھ محدثین حدیث کو معلل قرار دیتے ہیں، وہ فقہاء کے اصول پر علت نہیں ہوتیں۔[(6)] علامہ زرکشی امام ابن الحصار (٦١١ھ) کی رائے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ محدثین کے اپنے طریقۂ کار میں کچھ اغراض ہوتے ہیں جن میں وہ احتیاط کرتے ہیں اور مبالغہ کرتے ہیں، اور فقہاء پر ان کی اتباع لازم نہیں ہے۔[(7)]

شرط(5): شذوذ سے پاک ہونا

شذوذ کی مختلف الفاظ میں تعریف کی گئی ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرے۔ (سیوطی، س ن، ج2، ص149) فقہائے حنفیہ شذوذ کی شرط میں اختلاف نہیں کرتے، البتہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو چیز محدثین کے نزدیک علت ہو وہ فقہاء کے نزدیک بھی علت ہو۔

حنفیہ کے نزدیک صحیح حدیث کی اہمیت

جو حدیث صحیح سند کے ساتھ منقول ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کی مخالفت جائز نہیں ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ حدیث ان کا مسلک ہے۔ چنانچہ ان کے کئی سوانح نگاروں نے بشمول علامہ ابن حجر کے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: "جب کوئی حدیث صحیح ہو تو وہ میرا مذہب ہے۔"[(8)] حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب ابو حنیفہ کے پاس کوئی مسئلہ آتا جس میں کوئی صحیح حدیث ہوتی تو وہ اس پر عمل کرتے اور اگر اس میں صحابہ یا تابعین کا قول ہوتا تو وہ اسے لیتے اور اگر نہ ہوتا تو وہ قیاس کرتے۔[(9)]

حدیث کی تصحیح وتضعیف امر اجتہادی ہے اور امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد چونکہ مجتہد ہیں اس لیے ان پر لازم نہیں ہے کہ وہ دیگر اہلِ علم کے اصول کی پابندی کریں اس لیے ان کے مجتہد ہونے کی بنا پر اہلِ علم نے فرمایا ہے کہ اگر وہ کسی حدیث سے استدلال کریں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ روایت ان کے نزدیک صحیح اور قابل

---

(1) ابن الحنبلي، محمد بن إبراهيم، قفو الأثر في صفوة علوم الأثر .حلب: مكتبة المطبوعات الإسلامية، ١٤٠٨ هـ، ص49
(2) السيوطي، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين، تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي، دار طيبة، بلا تاريخ (1/ 95)
(3) ابن عابدين، محمد أمين، رد المحتار على الدر المختار، مصر: شركة مصطفى البابي وأولاده، ١٣٨٦ هـ، 3/ 469
(4) السيوطي، تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي، (1/ 295)
(5) الترمذي، محمد بن عيسى، أبو عيسى .سنن الترمذي، بيروت: دار الغرب الإسلامي، ١٩٩٦ م، 2/ 306
(6) ابن دقيق العيد، تقي الدين محمد بن علي، الاقتراح في بيان الاصطلاح، دار الكتب العلمية بيروت، بدون تاريخ، ص5
(7) الزركشي، بدر الدين محمد، .النكت على مقدمة ابن الصلاح .الرياض: أضواء السلف، ١٤١٩ هـ (2/ 209)
(8) ابن حجر، أبو الفضل أحمد بن علي العسقلاني، التلخيص الحبير، دار الكتب العلمية، 1989م (1/ 20)
(9) البخاري، عبد العزيز بن أحمد، علاء الدين .كشف الأسرار، إسطنبول: شركة الصحافة العثمانية، ١٣٠٨ هـ (1/ 17)

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 3(2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

استدلال ہے پھر چاہے دیگر اہلِ علم کے نزدیک اس میں کوئی ضعف کی وجہ کیوں نہ ہو۔[1] اس لیے کہ یہ ممکن نہیں کہ وہ مجتہد کسی حدیث سے استدلال کرے جبکہ وہ خود ہی اسے ضعیف قرار دے رہا ہو۔ اسی لیے امام کاسانی فرماتے ہیں کہ جس حدیث کو امام ابو حنیفہؒ نے صحیح قرار دے دیا اس میں دوسرے اہل علم کو طعن کرنے کا حق نہیں۔[2] اس لیے کہ جس طرح دیگر اہل علم اپنے اجتہاد کے مامور و مکلف ہیں اور اسی اجتہاد کی روشنی میں حدیث پر حکم لگاتے ہیں اسی طرح امام ابو حنیفہ بھی مجتہد ہیں اور کسی دوسرے مجتہد کے فیصلے کے پابند نہیں ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک صحیح حدیث میں علت کے اسباب

بعض مقامات پر جہاں بظاہر نظر آتا ہے کہ امام صاحب نے صحیح حدیث سے استدلال نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ حدیثِ صحیح جو بظاہر صحیح نظر آتی ہے، وہ اگرچہ سند کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن امام صاحب کے نزدیک کسی اور وجہ سے ضعیف ہوتی ہے۔ بطور حاصل ان وجوہات کو دس وجوہات کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے جو درج ذیل ہیں:

1. حدیث شریف کتاب اللہ کے مخالف ہو۔
2. سنّتِ ثابتہ کے مخالف ہو۔
3. قواعد کلیہ کے مخالف ہو۔
4. اجماع کے مخالف ہو۔
5. عقل کے مسلمہ اصولوں کے مخالف ہو۔
6. وہ حدیث اُس معاملے میں منقول ہو جس میں عموم بلویٰ یعنی ابتلائے عام پایا جاتا ہے۔
7. راوی کا حافظہ حدیث سننے سے لے کر اسے آگے پہنچانے تک برقرار نہ رہے۔
8. اس حدیث کا راوی اپنی روایت کی خود مخالفت کرے۔
9. ائمہ صحابہ کرام میں سے کوئی اس کی مخالفت کرے۔
10. صحابہ کرام اس حدیث شریف سے استدلال نہ کریں۔[3]

ان دس وجوہات کی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلی علت: حدیث شریف کتاب اللہ کے خلاف ہو

اس بات پر ائمہ مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے کہ خبرِ واحد اگر نصِ کتاب اللہ کے صریح مخالف ہو کہ دونوں میں تطبیق ممکن نہ ہو، تو خبرِ واحد قابل قبول نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ نصِ قرآن کریم قطعی الثبوت ہے، جبکہ خبرِ واحد ظنی ہوتی ہے اور ظنی دلیل قطعی دلیل کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ خطیب بغدادی الفقیہ والمتفقہ میں فرماتے ہیں کہ ہر وہ حدیث جو تمہیں نبی کریم ﷺ سے پہنچے جو کتاب اللہ یا سنّتِ متواترہ کے مخالف ہو تو جان لو کہ اس کی کوئی اصل نہیں یا وہ منسوخ ہے۔[4] ابو یعلی حنبلی[5] عینی، ابن عابدین، غنیمی، میدانی اور کوثری[6] علامہ نسفی[7] سے بھی یہی منقول ہے۔

دوسری علت: حدیث شریف احادیثِ متواترہ و مشہورہ کے مخالف ہو۔

دوسری علت جس کی بنا پر خبرِ واحد صحیح ہونے کے باوجود قابل استدلال نہیں ٹھہرتی وہ یہ ہے کہ وہ احادیثِ متواترہ اور مشہورہ کے مخالف ہو۔ بہت سے حفاظِ حدیث نے بھی اس اصول کی تائید کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے حدیث کے موضوع ہونے کی علامات میں سے یہ بھی قرار دیا ہے کہ وہ نصِ کتاب اللہ العزیز کے مخالف ہو۔[8]

تیسری علت: حدیث شریف قواعدِ کلیہ کے مخالف ہو

خبر واحد میں تیسری علت یہ ہے کہ خبرِ واحد کتاب و سنت سے مستنبط شریعت کے عمومی اور قطعی اصول اور قواعدِ کلیہ کے مخالف ہو۔ امام جصاص نے اس علت کا استدلال

(1) ابن عابدين ، رد المحتار، (4/ 553)
(2) الكاساني، أبو بكر بن مسعود، بدائع الصنائع، مصر: مطبعة شركة المطبوعات العلمية، ١٣٢٨هـ (2/ 90)
(3) التركماني، المدخل إلى أصول الحديث على منهج الحنفية، ص141
(4) الخطيب البغدادي، أبو بكر أحمد بن علي بن ثابت، الفقيه و المتفقه، دار ابن الجوزي - السعودية 1421 هـ (1/ 354)
(5) أبو يعلى، الفراء البغدادي الحنبلي، محمد بن الحسين، العدة في أصول الفقه، بلا تاريخ ١٤١٠ هـ (3/ 964)
(6) العينى، محمود بن أحمد، بدر الدين .البناية شرح الهداية، بيروت: دار الكتب العلمية، ١٤٢٠ هـ / ٢٠٠٠ م (5/ 596)
(7) علاء الدين، كشف الأسرار (3/ 10)
(8) الزركشي، النكت على مقدمة ابن الصلاح (2/ 268)

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3(2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

سنن ابوداؤد کی روایت:"من اطلع في دار قوم بغير إذنهم ففقؤوا عينه فقد هدرت عينه"[1] (جس نے کسی قوم کے گھر میں بغیر اجازت کے جھانکا اور انہوں نے اس کی آنکھ پھوڑ دی تو اس کی آنکھ رائیگاں گئی۔) سے کیا ہے۔[2] امام قدوری نے التجرید میں[3] اور علامہ ابن جوزی نے الموضوعات[4] میں بھی ایسا ہی کلام فرمایا ہے۔

چوتھی علت: حدیث شریف اجماع کے مخالف ہو

علت کی چوتھی صورت یہ ہے کہ خبرِ واحد اجماع کے مخالف ہو۔ اس کی مشہور مثال سلمہ بن محبق رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے مسند احمد میں روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کی لونڈی سے جماع کر لیا، یہ معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر لونڈی نے رضامندی سے برائی کی تھی تو وہ لونڈی اسی شخص کی ملکیت میں رہے گی اور اس شخص پر لازم ہے کہ اس لونڈی کی قیمت بیوی کو ادا کرے، اور اگر اس شخص نے لونڈی کو مجبور کیا، تو وہ لونڈی آزاد ہے اور اس شخص پر لازم ہے کہ اس لونڈی کی قیمت بیوی کو ادا کرے۔[5] فقہاء کا اجماع ہے کہ اس حدیث میں مذکور حکم پر عمل نہیں کیا جائے گا۔[6]

پانچویں علت: حدیث شریف عقل کے خلاف ہو

خبر واحد میں علت کی پانچویں صورت یہ ہے کہ وہ عقلی دلائل کے صریح تقاضا کے خلاف ہو۔ اس اصول کی بنیاد اس بات پر ہے کہ عقل ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی حجت ہے اور شریعت کا کوئی حکم عقل کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ حفاظِ حدیث نے بھی اصولیین کی اس اصل کی تائید کی ہے۔[7]

چھٹی علت: خبر واحد ایسے واقعہ کے متعلق وارد ہو جس میں ابتلائے عام ہے

چھٹی علت یہ ہے کہ خبرِ واحد ایسے معاملہ کے متعلق وارد ہو جس میں ابتلائے عام ہو، یعنی وہ مسئلہ جس کی لوگوں کو بکثرت ضرورت پیش آتی ہو اور جس کا حکم عام لوگوں سے مخفی نہیں رہنا چاہیے۔ اگر ایسی عام چیز کا حکم خبرِ واحد سے ثابت ہو تو فقہائے احناف کے نزدیک یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس حدیث میں کوئی ضعف ہے یا یہ منسوخ ہے۔[8] اس اصول کی ایک دلیل حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ چونکہ معاملہ میں ابتلائے عام تھا اور بہت سے لوگ نماز میں شریک تھے۔ اس لیے آپ ﷺ نے صرف ایک شخص کی بات پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ باقی تمام لوگوں سے بھی دریافت فرمایا۔[9] نیز کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے تین مرتبہ استیذان کے متعلق حضرت عمرؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ عمومی مسئلہ ہونے کی بنا پر آپ نے صرف حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ گواہی طلب فرمائی۔[10]

ساتویں علت: راوی کا حفظِ حدیث تحمل سے ادا تک مسلسل برقرار نہ رہے

علت کی ساتویں صورت امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ہے کہ خبرِ واحد کے راوی کو حدیث کے تحمل سے لے کر اداء کرنے تک یعنی سماعِ حدیث سے لے کر بیان کرنے تک مسلسل یاد نہ رہے۔ یہ شرط صرف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی رائے ہے اور یہ بہت سخت شرط ہے اور اسی وجہ سے امام صاحب کی مرویات کم ہیں جبکہ جمہور علماء کا عمل اس کے خلاف ہے۔[11] امام سرخسی ''اصول السرخسی'' میں اس علت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کا مسلک عزیمت پر مبنی ہے اور بقیہ حضرات کا عمل رخصت پر مبنی ہے۔[12]

---

(1)السجستاني، سليمان بن الأشعث، أبو داود .سنن أبي داود. دار الرسالة العالمية، ١٤٣٠ هـ،1430 هـ (7/ 475)
(2)الجصاص، أبو بكر أحمد الرازي الحنفي، أحكام القرآن، دار إحياء التراث العربي – بيروت، 1405 هـ (3/ 404)
(3)القدوري، أحمد بن محمد، أبو الحسين .التجريد، القاهرة: دار السلام، ١٤٢٧ هـ / ٢٠٠٦ م (5/ 2443)
(4)الجوزي، عبد الرحمن بن علي، جمال الدين .الموضوعات، المدينة المنورة: المكتبة السلفية، بدون سنة (1/ 106)
(5)ابن حنبل، أحمد بن محمد .مسند أحمد .الطبعة الأولى. مؤسسة الرسالة، ١٤٢١ هـ (33/ 252) رقم الحديث: 20060
(6)الجصاص، الفصول في الأصول (3/ 117)
(7)ابن الجوزي، الموضوعات، 1386هـ (1/ 106)
(8)الجصاص، شرح مختصر الطحاوي (1/ 399)
(9)البخاري، محمد بن إسماعيل، صحيح البخاري، دار طوق النجاة، ١٤٢٢ هـ (1/ 144) رقم الحديث: ٧١٤
(10)أيضا (8/ 55) رقم الحديث: 6245)
(11)السيوطي، تدريب الراوي (1/ 527)
(12)السرخسي، أبو بكر محمد بن أحمد بن أبي سهل، أصول السرخسي، لجنة إحياء المعارف، الهند، بدون سنة (1/ 379)

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3(2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

آٹھویں علت: راوی اپنی ہی روایت کی مخالفت کرے

صحیح روایت میں علت کی آٹھویں صورت یہ ہے کہ جس صحابی سے روایت منقول ہے وہ خود اپنی روایت کے مخالف عمل کریں۔ اس لیے اگر صحابی اپنی روایت حدیث کے مخالف عمل کریں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں کوئی علّت ہے، یا وہ ہو چکی منسوخ ہے یا محض استحباب پر محمول ہے۔ جیسا کہ مسئلہ ولوغ کلب میں حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنی سات مرتبہ دھونے کی روایت کی مخالفت فرمائی۔(1) امام دار قطنی نے قتل خطا کی دیت کے مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی ایک روایت اور اس روایت کے خلاف ان کے فتویٰ سے استدلال کیا ہے کہ ان کی روایت میں تاویل کی جائے گی اور فتویٰ کو تسلیم کیا جائے گا۔(2) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابی کے فتویٰ کے خلاف ہونے کی وجہ سے روایت کے معلول ہونے کی اصل حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہاء کے نزدیک بھی مسلم ہے۔(3)

نویں علت: حدیث شریف ائمہ صحابہ کے عمل کے خلاف ہو

نویں علت یہ ہے کہ اس خبرِ واحد کے خلاف ائمہ صحابہ میں سے کسی نے عمل کیا ہو، حالانکہ وہ خبر ظاہر ہے اور ان پر پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ائمہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیث کے خلاف عمل کریں اور وہ روایت بھی اس دور میں ظاہر ہو تو یہ اس بات کا احتمال پیدا کرتا ہے کہ حدیث میں کوئی علت ہے یا وہ منسوخ ہے۔(4) البتہ علامہ ابن الہمام کی تصریح کے مطابق راوی کے عمل نہ کرنے سے حدیث پر علت کا حکم لگانے سے پہلے خوب تحقیق کر لینا ضروری ہے کیونکہ بہت سی وجوہ کی بنا پر بجا طور پر یہ احتمال موجود ہے کہ وہ روایت ان تک نہ پہنچی ہو۔(5)

دسویں علت: راوی اپنی روایت کا انکار کر دے

خبر واحد میں علت کی دسویں صورت یہ ہے کہ راوی اپنی روایت کا انکار ہی کر دے کہ میں نے یہ روایت بیان نہیں کی۔ اس کی دو صورتیں ہیں: پہلی یہ کہ راوی اپنی روایت کی تکذیب کرے اور جھٹلا دے، اس صورت میں تمام مذاہب کے جمہور علماء اس حدیث کو رد کرتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ راوی اپنی روایت کا انکار توقف کے انداز میں کرے، مثلاً جب اس کے سامنے اس کی روایت بیان کی جائے تو وہ کہے: "میں معلوم نہیں"، یا "مجھے یاد نہیں" وغیرہ۔ اس میں علمائے حنفیہ سے دو مذہب منقول ہیں: (1) پہلا یہ کہ راوی کی روایت قبول نہیں کی جائے گی، یہ امام کرخی، جصاص اور سرخسی وغیرہ کا مذہب ہے۔ انہوں نے استدلال کیا ہے کہ روایت صرف اس وقت معمول بہ ہوتی ہے جب رسول اللہ ﷺ تک اتصال ثابت ہو جائے، اور راوی کے انکار سے اتصال منقطع ہو جاتا ہے؛ کیونکہ ان کا انکار ان کے حق میں حجت ہے۔(6) (2) دوسرا مذہب یہ ہے کہ راوی کی روایت قبول کر لی جائے گی۔ یہ رائے امام محمد رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے اور اسی کو ابن ساعاتی اور ابن الہمام وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔ کیونکہ فرع عادل ثقہ ہے اور اصل کی طرف پورے وثوق سے روایت کی نسبت کر رہا ہے، جبکہ اصل راوی نہ تو اسے جھٹلا رہا ہے اور نہ ہی اسے پختہ یقین ہے، بلکہ اسے صرف شک اور تردد ہے، اور یقین تردد پر مقدم ہوتا ہے، لہٰذا یہاں انقطاع نہیں پایا گیا۔ اس لیے روایت قبول کی جائے گی۔

3۔ ضعیف حدیث کے متعلق حنفیہ کے اصول

فضائل میں ضعیف حدیث سے استدلال کا حکم

فضائل میں حنفیہ اور دیگر ائمہ فقہاء چند شرائط کے ساتھ ضعیف حدیث سے استدلال کو جائز قرار دیتے ہیں۔(7) یہاں یہ بات واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ فضائل سے مراد فقہاء کے نزدیک وہ احکامِ شریعت ہیں جن کا حکم فرضیت یا وجوب کا نہیں ہے بلکہ ندب و استحباب اور اولویت کا ہے اسی طرح کراہت تنزیہی بھی چونکہ درجہ میں استحباب کے برابر ہے اس لیے اس میں ضعیف حدیث سے استدلال کو حنفیہ نے درست قرار دیا ہے۔ مثلاً جنازہ کے پیچھے چلنے، فجر کی نماز اندھیرے اور روشنی میں پڑھنے، عیدین کی تکبیروں کی تعداد اور تکبیر تشریق کی مقدار وغیرہ کی روایات۔ کہ یہ سب فضیلت والے اعمال ہیں۔(8)

---

(1)الطحاوي الحنفي، أحمد بن محمد .شرح معاني الآثار، بيروت: دار ابن حزم، ١٤٤٢ هـ / ٢٠٢١ م (1/ 23)
(2)الدارقطني، أبو الحسن علي بن عمر، سنن الدارقطني، مؤسسة الرسالة بيروت، ١٤٢٤ هـ (4/ 225) الحديث: 3364
(3)المنبجي، علي بن زكريا، اللباب في الجمع بين السنة والكتاب، دمشق: دار القلم، ١٤١٤ هـ (1/ 88)؛ القيرواني، عبد الله بن أبي زيد، الجامع في السنن والآداب والمغازي والتاريخ، بيروت، مؤسسة الرسالة، ١٤٠٣ هـ / ١٩٨٣ م (ص118)
(4)السرخسى، أصول السرخسي (2/ 7)
(5)ابن أمير الحاج، التقرير والتحبير على التحير (2/ 267)
(6)الجصاص، الفصول في الأصول، ج2، ص59
(7)ابن الهمام، كمال الدين، فتح القدير، مصر: شركة مصفى البابي وأولاده، ١٣٨٩ هـ / ١٩٧٠ م، ١: ٣٠٣ باب الإمامة
(8)الجصاص، الفصول في الأصول (3/ 122)

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 3(2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

فضائل میں ضعیف حدیث سے استدلال کی شرائط

ہم گزشتہ سطور میں واضح کر چکے ہیں کہ فضائل میں ضعیف حدیث سے استدلال کے درست ہونے کی تین شرائط ہیں جنہیں علامہ سخاوی نے حافظ ابن حجر شافعیؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور یہی حنفیہ کے نزدیک بھی معتبر ہیں:

۱۔اس حدیث میں شدید ضعف نہ ہو۔ مثلاً راوی کا کذاب ہونا وغیرہ۔

۲۔جو حکم ضعیف حدیث سے ثابت ہو وہ حکم شریعت کے کسی مسلمہ اصول کے خلاف نہ ہو۔

۳۔عمل کرتے وقت احتیاطاً یہ اعتقاد نہ رکھے کہ یہ نبی ﷺ سے یقینی طور پر ثابت ہے، تاکہ نبی ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب نہ کی جائے جو آپ ﷺ نے نہیں فرمائی۔[1]

علامہ شامی نے رد المحتار کتاب الطہارۃ (۱: ۹۵) میں اور علامہ لکھنوی نے ظفر الأماني (ص ۱۹۹) میں اس کو تائید کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس لیے حنفیہ کے نزدیک بھی انہی شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

احکام میں ضعیف حدیث سے استدلال کا حکم

احکام شریعت کے متعلق تمام حنفی فقہاء کا اتفاق ہے کہ ضعیف روایت پر اس کے ثبوت میں ضعف کی بنا پر عمل کرنا واجب نہیں ہے۔ جہاں تک اس پر عمل کے جواز کا تعلق ہے تو اگر ضعیف روایت قیاس کے موافق ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا کیونکہ اگرچہ وہ روایت ضعیف ہے، کسی حکم کو ثابت نہیں کر سکتی لیکن قیاس کی تائید ضرور کر سکتی ہے۔ البتہ اگر قیاس اس کی تائید نہیں کر رہا تو ایسے موقع پر اس روایت پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔[2]

بسا اوقات ضعیف حنفیہ کے ہاں کسی ضعیف حدیث کو استدلال میں صحیح حدیث پر ترجیح بھی دی جاتی ہے۔ اس کی حنفیہ کے ہاں درج ذیل وجوہات میں سے کوئی وجہ ہوتی ہے:

1. ضعیف حدیث قرآن کریم کی نص کے موافق ہوتی ہے جیسے مسئلہ قراءت خلف الامام میں امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے متعلق حدیث درج ذیل آیت کریمہ کے موافق ہے: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ [3] ''جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اسے خوب توجہ کے ساتھ سنو اور خاموش رہو۔''
2. ضعیف حدیث دوسرے نصوص کے موافق ہوتی ہے جیسے نماز کسوف کی ایک رکعت میں دو رکوع یا چار سجدے نہ ہونے کی روایت۔
3. یا ضعیف حدیث ان کے نزدیک توارث و تعامل امت کے موافق ہوتی ہے جبکہ صحیح اس کے مخالف ہوتی ہے۔ محدثین کے ہاں بھی یہ اصول پایا جاتا ہے کہ سند صحیح ہونے کے باوجود اگر حدیث دوسرے اصولِ شرع کے موافق ہو تو وہ اسے ''منکر'' قرار دیتے ہیں۔
4. بسا اوقات ضعیف حدیث کو عموم بلوی کی بناء پر صحیح حدیث پر ترجیح دی جاتی ہے۔
5. کمزور یا ضعیف سند والی روایت کو راوی کے تفقہ کی تائید حاصل ہوتی ہے۔[4]
6. بسا اوقات احناف ضعیف حدیث سے استدلال اس لیے کرتے ہیں کہ انہیں وہ روایت صحیح واسطوں سے پہنچی ہے۔ اگرچہ اس کے اندر بعد میں ضعف آ جاتا ہے۔[5]

ضعیف روایت کی قیاس پر ترجیح

امام ابو حنیفہ اور ان کے متبعین کی طرف جو خلافِ حقیقت بات منسوب کی گئی کہ وہ احادیث کے مقابلے میں قیاس کو ترجیح دیتے ہیں اس کی تردید نہ صرف خود حنفیہ سے منقول ہے بلکہ دیگر مسالک کے بہت سے انصاف پسند محقق اہل علم نے بھی اس کی صاف تردید فرمائی ہے۔ ابن القیم نے ''اعلام الموقعین'' میں اس پر تفصیلی کلام فرمایا ہے۔[6]

(1)السخاوی، شمس الدين أبو الخير محمد، الجواهر والدرر، دار ابن حزم، بيروت، 1419ھ (2/ 954)
(2)السرخسي، أصول السرخسي، ج1، ص٣٤٤
(3)سورۃ الأعراف7: 204
(4)ابن قطلوبغا، زين الدين قاسم، خلاصة الأفكار، دار ابن حزم، 2003 م (ص149)
(5)ابن تيمية، رفع الملام، ص: ١٨
(6) ابن القيم، أبو عبد الله محمد بن أبي بكر، أعلام الموقعين، دار عطاءات العلم (الرياض)، 2019 م (1/ 165)

Vol. 2, No. 3(2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹنے، سفر میں نبیذِ تمر سے وضو، چوری میں ہاتھ کاٹنے کا نصاب، حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت (دس دن)، نمازِ جمعہ کے لیے شہر کی شرط، کنوؤں کی طہارت کے مسائل میں احناف کا قیاس کے خلاف ضعیف احادیث پر عمل کرنا احناف کے نزدیک حدیث کی اہمیت پر شاہدِ عدل ہے۔[1]

4۔ حنفیہ کے نزدیک ارسال کا حکم

لغوی اعتبار سے "ارسال" کا معنی ہے مطلق چھوڑ دینا، آزاد کر دینا۔[2] اصطلاحی تعریف کے اعتبار سے احناف اور محدثین کی تعریفات میں قدرے فرق ہے۔ احناف کے نزدیک مرسل کی تعریف یہ ہے:

"کسی امام ثقہ راوی کی وہ حدیث جس کی سند منقطع ہو، خواہ انقطاع سند کے شروع میں ہو، آخر میں ہو، یا درمیان میں ہو، اور خواہ ایک راوی ساقط ہو یا زیادہ۔" یہ تعریف متاخرین احناف کی تصریحات کے مطابق ہے۔[3]

اس کے برعکس، محدثین کے نزدیک مرسل کی اصطلاح خاص ہے کہ: کوئی تابعی براہ راست رسول اللہ ﷺ کا قول نقل کرے اور صحابی کا ذکر نہ کرے۔[4]

ان تعریفات میں دو فرق ہیں: ایک یہ کہ احناف کے نزدیک "مرسل" کی اصطلاح محدثین کی اصطلاح سے زیادہ وسیع ہے۔ کیونکہ اس میں "معضل، معلق، اور منقطع" بھی شامل ہو جاتی ہیں۔[5] دوسرا فرق یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک ہر تابعی کی رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست روایت مرسل ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک ہر تابعی کی روایت مرسل نہیں ہے بلکہ اس کے مقبول ہونے کے لیے راوی کا امام و ثقہ ہونا ضروری ہے۔ عام رواۃ کی مراسیل حنفیہ کے نزدیک بھی حجت نہیں۔[6]

حدیث مرسل سے استدلال کا حکم

مرسل سے احتجاج کے بارے میں علماء کا شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں دس اقوال نقل فرمائے ہیں جن میں سے جمہور محدثین اور فقہاء کا قول "مرسل" کا ضعیف ہونا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اسناد میں راوی ساقط ہونے کی وجہ سے اس میں جہالت موجود ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ یہ تابعی کی روایت ہو، کیونکہ تابعین صحابہ سے روایت کرنے کے پابند نہیں تھے، پھر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کسی ضعیف راوی کی روایت ہو۔

جبکہ فقہاء میں امام مالک بن انس، امام ابو حنیفہ، امام احمد (ایک مشہور روایت کے مطابق) اور بعض محدثین کے نزدیک مرسل سے استدلال درست ہے۔ امام نووی نے "شرح المھذب" میں اسے اکثر فقہاء کا قول بتایا ہے۔ امام غزالی نے اسے جمہور سے نقل کیا ہے۔ ابن عبد البر نے اسے اس شرط سے مقید کیا ہے کہ ارسال کرنے والا غیر محتاط اور غیر ثقات سے ارسال کرنے والا نہ ہو۔ یہی مسلک سفیان ثوری، امام احمد اور امام اوزاعی سے بھی منقول ہے۔[7] علامہ ابن حجر نے "النکت" میں ابن جریر طبری کا قول نقل کیا ہے کہ تمام تابعین نے بالاتفاق مرسل کو قبول کیا اور ان کے بعد ۲۰۰ ہجری تک کسی امام سے اس کا انکار منقول نہیں۔

امام حاکم "علوم الحدیث" میں فرماتے ہیں کہ اکثر مراسیل مدینہ میں ابن مسیّب سے، مکہ میں عطاء بن ابی رباح سے، بصرہ میں حسن بصری سے، کوفہ میں ابراہیم نخعی سے، مصر میں سعید بن ابی ہلال سے، اور شام میں مکحول سے مروی ہیں۔ ان کے بقول، اور جیسا کہ ابن معین نے کہا، سب سے صحیح مراسیل ابن مسیّب کی ہیں، کیونکہ وہ اولادِ صحابہ میں سے تھے، عشرہ مبشرہ کو پایا، فقیہ اہل حجاز و مفتی تھے، اور ان کی مراسیل کو ائمہ نے صحیح اسانید کے ساتھ پایا۔[8]

مذکورہ بالا تفصیل تو تابعی کی مرسل روایت کی ہے۔ رہی صحابہ کرام کی مراسیل تو ان کا حکم جمہور کے نزدیک موصول کا ہے۔[9] پھر فقہائے احناف اس بات میں تو متفق ہیں کہ مرسل حدیث حجت ہے تاہم ان میں مرسل کے حکم کی تفصیل میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

1۔ عیسیٰ بن ابان کے نزدیک مرسل عادل راوی کی روایت قرونِ ثلاثہ (صحابہ، تابعین، تبع تابعین) سے ہو تو مقبول ہے۔ تاہم، ان قرون کے بعد اگر مرسل راوی ائمہ دین

(1) ابن تيمية الحراني، رفع الملام (20/ 304)
(2) الأزهري، محمد بن أحمد، أبو منصور، تهذيب اللغة، دار إحياء التراث العربي، بيروت 2001م، ج١٢، ص٣٩٤
(3) علاء الدين، كشف الأسرار، ج٣، ص٥ – ٦، عثمانى، مقدمة فتح الملهم 1426ه، ص:92
(4) ابن الصلاح، عثمان بن عبد الرحمن، أبوعمرو .مقدمة ابن الصلاح، دار الفكر المعاصر، بيروت، ١٤٠٦ هـ، ص ١٢٦
(5) علاء الدين، كشف الأسرار (3/ 2)
(6) عثمانى، مقدمة فتح الملهم، ص:92
(7) أبو داود، سليمان بن الأشعث السِّجِسْتاني، المراسيل، مؤسسة الرسالة – بيروت، **1408هـ** (ص24)
(8) عثمانى، مقدمة فتح المهلم، ص:94
(9) ابن الصلاح، المقدمة (ص56)

Vol. 2, No. 3(2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

میں سے ہو اور جرح و تعدیل کا عارف ہو، تو اس کی مرسل روایت مقبول ہوگی، ورنہ نہیں۔ امام بزدوی اور اکثر اصولیین نے اسی مذہب کو اختیار کیا ہے۔[(1)]

2۔ امام کرخی کی رائے اس سلسلے میں بہت وسیع ہے۔ ان کے نزدیک ہر عادل راوی کی مرسل روایت بغیر کسی تفریق کے مقبول ہے، خواہ راوی قرونِ ثلاثہ سے ہو یا بعد کے زمانے سے۔[(2)]

3۔ امام جصاص رازی کے نزدیک قرونِ ثلاثہ کے مرسل راوی کی مرسل روایت حجت ہے، جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو کہ وہ غیر ثقہ سے روایت کرتا ہے۔ قرونِ ثلاثہ کے بعد کے مرسل راوی کی مرسل روایت حجت نہیں ہے۔[(3)] اکثر احناف کے نزدیک قرونِ ثلاثہ کی خیر و صلاح کی نبوی گواہی کی بنا پر عیسیٰ بن ابان کی رائے راجح ہے۔[(4)]
حنفیہ کے نزدیک مرسل کے قبول کرنے کی چار شرائط ہیں: 1۔ ارسال کرنے والا ثقہ اور عادل ہو۔ 2۔ ائمہ نقل میں سے ہو۔ 3۔ سنی سنائی بات بیان نہ کرتا ہو۔ 4۔ راوی کے صدق و کذب کو پہچانتا ہو، جرح و تعدیل کی اہلیت رکھتا ہو۔[(5)]

مرسل کے حجت ہونے پر حنفیہ کے دلائل

احناف مرسل کی حجیت پر اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ صحابہ کرام، تابعین عظام اور ان کے پیروکار مسند اور مرسل دونوں طرح کی روایات کو یکساں حجت سمجھتے تھے۔
چنانچہ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث بیان کی، تو ایک شخص نے ان سے پوچھا: "کیا آپ نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے؟" تو وہ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: "اللہ کی قسم! نہیں، ہم جو کچھ تم سے بیان کرتے ہیں، وہ سب ہم نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنا، لیکن ہم ایک دوسرے پر تہمت نہیں لگاتے۔"[(6)] یہی مضمون حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔[(7)] تابعین میں ابراہیم نخعی[(8)] حسن بصری سے[(9)] سے بھی ایسے ہی انداز میں پوچھنے والوں سے ناراضگی کا اظہار کرنا منقول ہے۔ اسی طرح محمد بن سیرین نے مرسل کے قبول پر قدماء کا اتفاق نقل کیا ہے۔[(10)]
جب مرسل حدیث کو کسی قرینے مثلاً کسی آیت، مشہور سنت، قیاس، قولِ صحابی، یا تلقی بالقبول سے تائید و تقویت حاصل ہو جائے تو اکثر علماء بشمول امام شافعی کے نزدیک اس سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے۔[(11)]
پھر صحیح حدیث کے مقابلے میں مرسل کے ضعف پر کلام ہو سکتا ہے لیکن قیاس کے مقابلے میں حدیث مرسل بہر حال مقدم ہے۔ یہ حنفیہ کا معروف اصول ہے۔ جبکہ بعض مواقع پر شوافع وغیرہ اس پر عمل نہ کرنے کے قائل ہیں۔[(12)]
مذکورہ بالا بحث مرسل سے استدلال کرنے سے متعلق تھی جہاں تک مرسل سے دوسری روایت کی ترجیح، تفسیر اور تائید کا تعلق ہے تو وہ جمہور کے نزدیک جائز ہے۔[(13)]

5۔ حنفیہ کے نزدیک تدلیس کا حکم

لغت میں "تدلیس" باب تفعیل کا مصدر ہے اور اس کا مادہ "دَلَس" ہے جس کا معنی ہے سیاہی اور اندھیرا[(14)]۔ اصطلاح میں تدلیس سے مراد سند میں عیب کو چھپانا ہے۔
تدلیس کی دو قسمیں ہیں:
1۔ تدلیسِ اسناد: یہ ہے کہ راوی کسی ایسے شخص سے روایت کرے جس سے اس کی ملاقات ہوئی ہو، اور سامع کو یہ وہم دلائے کہ یہ اس سے سماع ہے، حالانکہ اس نے اس سے نہیں سنا۔[(15)]

(1)الجصاص، الفصول في الأصول، ج٢، ص٣٠
(2)السمرقندي، ميزان الأصول ص ٤٣٧
(3)الجصاص، الفصول في الأصول، ٢ : ٣٠
(4)التركمانى، المدخل إلى أصول الحديث على منهج الحنفية، ص141
(5)عثمانى، مقدمة فتح الملهم، ص:92
(6)ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الكبير، الطبعة الأولى، القاهرة: مكتبة الخانجي، ١٤٢١ هـ (9/ 21)
(7)ابن حنبل، مسند أحمد (30/ 450)
(8)الطحاوي: شرح معاني الآثار ١ : ٢٩٣ (كتاب الصلاة، باب التكبير للركوع)
(9)البخاري ، صحيح البخاري (6/ 602)
(10)القشيري النيسابوري، مسلم بن الحجاج، صحيح مسلم، تركيا: دار الطباعة العامرة، ١٣٣٤ هـ (1/ 11)
(11)السخاوي، شمس الدين محمد، فتح المغيث، الطبعة الأولى. مصر: مكتبة السنة، ١٤٢٤ هـ 1/ 177
(12)المنبجي، اللباب في الجمع بين السنة والكتاب (1/ 45)
(13)السيوطي، تدريب الراوي (1/ 225، 2/ 687
(14)الأزهري، تهذيب اللغة، ج١٢، ص٣٦٢
(15)الجصاص، الفصول في الأصول، ٢: ٦١

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 2, No. 3(2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

2۔تدلیس الشیوخ: یہ ہے کہ راوی کسی شیخ سے حدیث سنے، پھر اس کا نام، کنیت، یا نسبت اس طرح بیان کرے کہ وہ پہچانا نہ جائے۔اس قسم کو "تلبیس" اور "تدلیس الشیوخ" کہتے ہیں۔(1)

احناف کے نزدیک تدلیس کا حکم مرسل کے حکم کی طرح ہے۔تدلیس بھی ارسال کا وہم پیدا کرتی ہے،اور مرسل احناف کے نزدیک مقبول ہے۔تو موہمِ ارسال (تدلیس) کا حکم بھی بدرجہ اولیٰ یہی ہونا چاہیے۔امام جصاصؒ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں ہمارے نزدیک قول یہ ہے: اگر مدلس اس بات میں مشہور ہو کہ وہ صرف ان لوگوں سے تدلیس کرتا ہے جن سے روایت جائز ہے، تو اس کی روایت مقبول ہے۔(2) احناف کے اس موقف کی تائید بعض حفاظ حدیث بھی کرتے ہیں۔علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ جو شخص ثقات سے تدلیس کرے، تو اہل علم کے نزدیک اس کی تدلیس مقبول ہے۔(3) بعض محدثین نے تدلیس کے بارے میں بہت سختی کی ہے، یہاں تک کہ شعبہ بن حجاج نے تو یہاں تک کہا ہے کہ میرے نزدیک زنا کرنا تدلیس کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔(4) یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعض ائمہ محدثین خود تدلیس کرتے تھے، جیسے اعمش، سفیان ثوری اور ابن عیینہ۔حافظ ابن حجر نے ان کی طرف سے یہ عذر پیش کیا ہے کہ وہ صرف ثقہ راویوں سے ہی تدلیس کرتے تھے۔(5) لہٰذا حافظ ابن حجر کی اس تصریح سے یہ نتیجہ نکالنا بالکل بجا ہے کہ اگر راوی ثقہ راویوں سے تدلیس کرے تو وہ مقبول ہے اور یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔

---

(1)التركمانى، المدخل إلى أصول الحديث على منهج الحنفية، ص229
(2)الجصاص، الفصول في الأصول، ٢: ٦١
(3)ابن عبد البر، أبو عمر يوسف، التمهيد، الطبعة الأولى، مؤسسة الفرقان لندن، ١٤٣٩ هـ، ص ٩٥
(4)أيضا
(5)السيوطي: تدريب الراوي :٣: ٢٥٥ (النوع الثاني عشر : التدليس)